ڈاکٹر محمد رکن الدین

مشاہدات: ایک جائزہ

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین سینٹر آف انڈین لینگویجز، اسکول آف لینگویج، لٹریچر اینڈ کلچر اسٹڈیز، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی میں اردو کے پروفیسر ہیں۔ اردو زبان وادب کی خدمات کے حوالے سے وہ بین الاقوامی شہرت کے حامل ہیں۔ تقریباً 23 کتابوں کے مصنف / مرتب ہیں۔ ان کی چند کتابوں کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی متعدد کتابیں ہندستان اور بیرون ممالک یونیورسٹیز میں شامل نصاب ہیں۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کو ان کی علمی و ادبی کارکردگی کے عوض کئی ملکی اور بین الاقوامی اعزازات و انعامات مل چکے ہیں۔ جن میں جاپان، ڈنمارک، جرمنی اور ترکی کے علاوہ ہندستان کے مختلف علمی و ادبی اداروں کے نام شامل ہیں۔

''مشاہدات'' پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کی تازہ تصنیف سفر نامہ ہے۔ یہ سفر نامہ 'براؤن بک پبلی کیشنز، نئی دہلی' نے شائع کیا ہے۔ اس سفر نامہ میں ''پاکستان کتنا دور کتنا پاس، قسطنطنیہ کی حسین وادیاں، جاپان کا یادگار سفر، امریکہ نامہ، حافظ و سعدی کے ملک میں، یوروپ کے اسفار کی ناقابل فراموش یادیں، جنت نظیر جزیرۂ موریشس، مصر سرزمین انبیاء و اولیاء، یوروپ ادبی قافلہ، ہرات شہر اولیا اور امام بخاری کے ملک میں چند روز'' شامل ہیں۔ سفر نامہ کا انتساب ''دیار غیر میں اردو کی شمع روشن کرنے والوں کے نام'' کیا گیا ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام ایک جہاں دیدہ شخصیت کا نام ہے۔ اردو زبان وادب کی تدریس اور فروغ و استحکام

کے لیے مختلف ممالک کا اسفار کرتے رہتے ہیں۔ ''مشاہدات'' کی تحریک بھی اسی علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی دورے کی وجہ سے ملی۔ اردو زبان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس زبان میں مہجری ادب معتدبہ تعداد میں موجود ہے۔ پروفیسر خواجہ اکرام اردو کے مہجری سرمائے کے لیے عملی طور پر کام کر رہے ہیں۔ دیار غیر کی درسگاہوں میں اردو زبان وادب کی تدریس اور مہجری ادبا و شعرا سے باہمی تعاون کے لیے ہمیشہ متحرک رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ''مشاہدات'' میں صرف سفری روداد ہی نہیں بلکہ ان ممالک کی تہذیبی، تاریخی، علمی اور ادبی صورت حال سے بہت حد تک واقفیت ہوتی ہے۔ جدید و قدیم روایات کے حامل ''مشاہدات'' میں یورپ، امریکہ، افریقہ اور وسط ایشیائی ممالک کے بہت سارے اہم مشاہدات و تجربات روپوش ہیں جو ایک سفر نامہ نگار ہی بیان کر سکتا ہے۔ یوروپ کے چھوٹے چھوٹے ممالک کا ذکر کسی جادو نگری سے کم نہیں معلوم ہوتا کہ کیسے انسان نے خود کو مشینوں کا غلام بنا دیا ہے۔ یورپ وامریکہ کی تہذیبی اور تمدنی زندگی کی بھی بہترین عکاسی اس سفر نامے کی سب سے اہم خصوصیات ہیں۔ مصر کی علمی اور ادبی درسگاہیں، قرآنی آیات کی روشنی میں مصر کی تاریخی مقامات کا ذکر، ماریشس کے جزیروں کی دلفریبیاں، ازبکستان کی سرسبز وادیوں کے احوال و کوائف، صحاح ستہ کے اہم مصنف امام بخاری کی تربت پر حاضری، ایران کی داستان، جاپان کی ترقی کا راز ''مشاہدات'' میں موجود ہے جس کا مطالعہ یقیناً معلومات میں اضافے کا باعث تو ہے ہی ساتھ ہی مذکورہ ممالک کی سیر کے لیے ایک بہترین تحفہ بھی ہے جو تجربات کے ساتھ بے شمار آسانیاں فراہم کرنے میں اہم معاون ہے۔ امید ہے کہ دیار غیر میں اردو کی ترویج واشاعت اور جدید آلات سے لیس ممالک کو سمجھنے میں پروفیسر خواجہ اکرام کا یہ سفر نامہ عہد حاضر میں سب سے منفرد اور جداگانہ ثابت ہوگا۔

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

'''مشاہدات' میرے ان غیر ملکی اسفار کا مجموعہ ہے جسے میں نے ہر سفر کے اختتام پر لکھا جو مختلف جرائد و رسائل اور اخبارات میں شائع بھی ہوئے۔ میرے ویب سائٹ پر بھی یہ سفر نامے موجود ہیں۔ اب ان سفر

ناموں کو ایک مجموعے کی شکل میں قارئین کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ الحمد اللہ دنیا کے بڑے ممالک کا سفر اردو زبان و ادب کے حوالے سے ہوا۔ اس لیے ان سفر ناموں میں ان ممالک کی تہذیبی و ثقافتی زندگی کے علاوہ ان ممالک میں اردو کی صورت حال کا خصوصی ذکر ہے۔''۔(مشاہدات، پیش لفظ)

مزید لکھتے ہیں:

''اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں اردو زبان کی تدریس سے وابستہ ہوں اور اسی حوالے سے میرے سفر ہوئے۔ ان اسفار کے دوران مجھے اندازہ ہوا کہ اردو زبان کی مقبولیت کیا ہے اور اردو زبان نے تہذیبی طور پر کتنے ممالک کا سفر کیا ہے۔ بعض ممالک ایسے ہیں جہاں اسکول کی سطح سے یونیورسٹی کی سطح تک اردو پڑھائی جاتی ہے اور اکثر ممالک ایسے ہیں جہاں بی۔ اے کی سطح سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ یہ ہم اردو والوں کے لیے فال نیک ہے کہ اردو کی تعلیم و تدریس دنیا کے کئی ممالک میں ہو رہی ہے۔ کچھ ممالک ایسے ہیں جن کے بارے میں لوگ بہت کم جانتے ہیں۔ وہاں کے احباب کی بھی برصغیر میں آمد و رفت بہت کم ہے۔ اس لیے بہت سے لوگوں کو ہم جانتے تک نہیں۔ حالانکہ ان کی خدمات ایسی ہیں کہ نہ صرف ان کا اعتراف کیا جانا چاہیے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی بھی ہونی چاہیے۔ میں نے محسوس کیا کہ ربط و اشتراک اور باہمی تعاون سے ہی ہم اپنی زبان اور تہذیب کو آگے بڑھا سکتے ہیں۔ ان اسفار کے بعد جن اردو کے اساتذہ اور طلبہ و طالبات سے میری ملاقاتیں ہوئیں وہ وقتی ملاقات نہیں رہیں بلکہ آج بھی ان سے رابطے ہیں اور باہمی تعاون کا سلسلہ جاری ساری ہے۔

ان ممالک کے احباب سے مل کر اندازہ ہوا کہ کوئی ایسا پلیٹ فارم ہونا چاہیے جس کے ذریعے ہم ایک دوسرے کو جان سکیں اور علمی تعاون پیش کر سکیں۔ اسی مقصد سے اپنے اسکالرس کے ساتھ مل کر ''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن'' نامی تنظیم بنائی تاکہ دور دراز ممالک میں بیٹھے احباب جو اردو کی خدمت کر رہے ہیں، ان سے باہمی تعاون ممکن ہو سکے۔ سچائی یہ ہے کہ موجودہ عہد میں کسی بھی زبان کے ثروت مند ہونے کا ایک

سبب یہ بھی ہے کہ اس میں مہجری ادب کا معیار و منہاج کیا ہے۔ ہمیں ان مہجری ادیبوں کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جو دیار غیر میں رہ کر بھی اپنی تہذیب اور زبان سے وابستہ اور منسلک ہیں اور اردو ادب کے سرمائے میں بیش قیمت اضافہ کر رہے ہیں۔ ان سفر ناموں میں ان تمام احباب کی خدمات کا بھی اجمالاً ذکر دراصل ان کی خدمات کا اعتراف بھی ہے۔''(مشاہدات، پیش لفظ)

''مشاہدات'' کا عملی نمونہ ''ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کا قیام ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئر مین ہیں جو ایک غیر سرکاری خود مختار ادارہ ہے۔ اس ادارے کا مقصد دنیا کے مختلف گوشوں میں موجود اردو کے اساتذہ/ادیبوں/شاعروں/فکشن نگاروں/صحافیوں/طلبہ وطالبات اور قلم کاروں سے رابطہ واشتراک اور باہمی تعاون، نئی نسل کے ادیبوں اور قلم کاروں کی حوصلہ افزائی، اردو تدریس کے فروغ کے لیے ممکنہ وسائل کی فراہمی کی کوشش، اردو کے مہجری ادیبوں کی کتابوں کی اشاعت، اردو کی نئی کتابوں پر تبصرے اور اس کی رسائی کے امکانات کی تلاش اور مہجری ادیبوں پر مبنی انسائیکلو پیڈیا کی تیاری ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین 'مشاہدات' کی وجہ تصنیف پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے اس کے علاوہ اپنے ملک کے کئی شہروں کے سفر نامے بھی لکھے ہیں۔ لیکن وہ اس میں شامل نہیں ہیں کیونکہ وہ خالصتاً تفریحی نوعیت کے سفر تھے۔ اسی طرح حرمین شریفین کی زیارت کا شرف بھی اللہ نے عطا کیا جو صرف زیارت کے مقصد سے تھا۔ اس سفر میں میری پوری فیملی ساتھ تھی اور چالیس دن کا قیام مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں رہا۔ مگر آج تک اس کا سفر نامہ نہیں لکھ سکا۔ اس متبرک سرزمین کے کن پہلوؤں پر کیا لکھوں؟ یہ آج تک سمجھ نہیں سکا۔ کئی بار کچھ لکھا بھی لیکن مکمل نہیں کر سکا کیونکہ یہ مقدس سرزمین عبادت و عقیدت کی سرزمین ہے اور اس کی زیارت دنیا میں سب سے بڑی زیارت ہے۔ اللہ نے ہمیں آنکھیں دی ہیں اور ان آنکھوں نے اگر مکہ و مدینہ کا دیدار کر لیا تو اس سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔ اب اس کو ضبط تحریر میں لانا میرے بس کا نہیں اس لیے یہ اس متبرک سفر کی کوئی روداد اس میں شامل نہیں۔ ان

سفر ناموں کو کئی بار سوچا کہ کتابی صورت دے دوں مگر تنگیٔ وقت کے سبب ممکن نہیں ہو سکا۔ عالمی سطح پر جس وبائی مرض کے سبب پوری دنیا قرنطینہ میں محصور ہے۔ ایسے میں آن لائن تدریس کے بعد جو وقت بچا، ان فرصت کے لمحات میں یہ کتاب مکمل ہو سکی۔''(مشاہدات، پیش لفظ)

کرونا وائرس نے جس طرح پوری دنیا کو گھروں میں مقید کر رکھا ہے، اس کے منفی اثرات تو بے شمار ہیں تاہم مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ اس طرح کی دل چسپ تحریریں لگاتار سامنے آ رہی ہیں۔ مشاہدات میں درج معلومات بہت دل چسپ ہیں۔ یہاں چند ممالک کے اسفار پر مشتمل کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مشاہدات کس قدر دل چسپ اور معلوماتی سفر نامہ ہے۔ ایک اقتباس 'پاکستان کتنا دور کتنا پاس' سے ملاحظہ کریں:

''شام ہوتے ہی ہم پشاور کے تاریخی شہر میں موجود تھے۔ بچپن میں ہم نے کئی کہانیاں پڑھی تھیں جو پشاور اور سرحد کے علاقوں سے متعلق تھیں۔ اس لیے اس شہر کو دیکھنے کا زیادہ اشتیاق تھا۔ یوں بھی صوبہ سرحد تاریخی اعتبار سے برصغیر میں کافی اہمیت کا حامل ہے۔ اس لیے ہمارا پروگرام یہ تھا کہ صبح کو شہر کے گرد و نواح میں بھی جائیں گے۔ مگر حالات کی نزاکتوں کے سبب نہ ہم جا سکے اور نہ ہمیں جانے دیا گیا۔ صبح ہوتے ہی ڈاکٹر درانی ہمارے گیسٹ ہاؤس میں موجود تھے۔ ان کے ہمراہ ہم لوگ پشاور یونیورسٹی کے وسیع و عریض علاقے کو دیکھنے نکل پڑے۔ انتہائی خوبصورت عمارتیں اور باغات کے درمیان ہاسٹلس اور ہر جانب ہرے بھرے میدان۔ قدیم طرز کی تعلیمی عمارتیں اور صفائی کا خاص اہتمام دیکھ کر ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ سب سے پہلے آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ گئے اور شعبے کے ڈین سے ملاقات ہوئی ان کی ضیافت کے بعد جب ہمیں رخصت ملی تو شعبے کے کلاس روم دیکھنے کا موقع ملا۔ خوشی ہوئی تمام کلاس روم میں ہر طرح کی جدید تکنالوجی موجود ہے۔ اس کے بعد پشاور یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر عظمت حیات خان صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انتہائی خنداں پیشانی سے انھوں نے ہمارا استقبال کیا اور پُر تکلف قہوے کے بعد اپنی بیش قیمت کتابیں

پیش کیں اور شام کی چائے کے لیے گھر پر مدعو کیا۔ حالانکہ وقت کم تھا مگر پٹھانوں کی مہمان نوازی کے ڈر سے لا محالہ جانا ہی پڑا۔ چونکہ دن بھر ہم لوگ ادھر ادھر گھومتے رہے اس لیے دوپہر کا کھانا نہیں کھایا تھا۔ شام چار بجے شاید ان کے گھر پہنچے۔ شاندار روایتی طرز کی کوٹھی، وسیع دالان اور درون خانہ باغ جو مختلف طرح کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ گھر کے مین دروازے پر دستک دیتے ہی کئی خادم دوڑے ہوئے آئے اور دروازہ بڑے احترام سے کھولا۔ روایتی انداز میں ہمارا استقبال کیا۔ شام سہانی تھی اس لیے صحن میں ہمارے بیٹھنے کے لیے سلیقے سے میز، کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ مکان دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کسی جاگیر دار یا رئیس کا روایتی مکان ہے۔ کچھ ہی دیر میں اندر سے عظمت صاحب تشریف لائے۔ والہانہ استقبال کیا۔ گفتگو شروع ہوئی ہم لوگوں نے پشاور شہر نہ دیکھ پانے کا گلہ کیا۔ انھوں نے حالات کی ستم ظریفی بتائی۔ اتنے میں کئی خادم طشت پر کئی اقسام کے شربت لے کے آئے۔ ہم نے تازے پھلوں کے شربت سے خود کو تروتازہ کیا۔ اتنے میں دستر خوان سمیٹ دیا گیا۔ مجھے حیرت بھی ہوئی۔ لیکن فوراً بعد دوسرا دستر خوان لگا اور اب کئی طرح کے تازے پھل ہمارے لیے پیش کیے گئے۔ پھل واقعی میٹھے تھے اور ہمیں بھوک بھی لگی تھی اس لیے خوب سیر ہو کر ہم نے کھایا۔ اس کے بعد وہی عمل دہرایا گیا۔ دستر خوان سے سارے سامان اٹھا لیے گئے۔ کچھ ہی دیر میں اب طرح طرح کے پکوڑے سامنے تھے۔ پھلوں سے سیر ہو چکے تھے اس لیے زیادہ پکوڑے نہیں کھائے گئے۔ خیر صاحب ہم لوگوں کو کسی نے یہاں کی روایات کے بارے میں بتایا نہیں تھا اس لیے لاعلمی میں اپنا پیٹ بھر چکے تھے۔ اب کیا دیکھتے ہیں کہ خادم کئی اقسام کے کباب دستر خوان پر سجا رہے تھے۔ خوشبو اس کے ذائقے کی گواہی دے رہے تھے اور ہم نادانی کر چکے تھے۔ کھانے کی جگہ باقی نہیں تھی مگر صاحب جس اخلاص اور اصرار سے عظمت صاحب پیش آئے کہ کچھ نہ کچھ کھانا ہی پڑا۔ پہلی دفعہ چپلی کباب کا نام سنا۔ حیرت ہوئی کہ کباب کو چپل سے کیا نسبت، لیکن جب اس کا سائز دیکھا تو اس کے نام کی مناسبت سمجھ میں آئی۔ مگر کبابوں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کا ملال آج تک ہے۔ چائے اور قہوہ کے بعد انھوں نے بڑی محبت

اور حسرت سے ہمیں رخصت کیا اور دوبارہ پشاور آنے کی دعوت دی۔"(مشاہدات24-25)

سفر نامہ نگار نے پوری کتاب میں قاری کے لیے معلومات کا خزانہ چھپا رکھا ہے۔ 'پاکستان کتنا دور کتنا پاس' کا عنوان تو غیر معمولی ہے ہی ساتھ ہی ایک ملک سے دوسرے ملک کی ہجرت کا کرب بھی اس سفر نامہ میں جابجا دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ 'قسطنطنیہ کی حسین وادیاں اور اس کی تاریخی و تہذیبی وراثتیں' قسطنطنیہ کا نام اب استنبول ہے۔

تربتِ ایوب انصاری سے آتی ہے صدا
اے مسلماں! ملت اسلام کا دل ہے یہ شہر

اس تاریخی اور غیر معمولی اہمیت کا شہر یعنی استنبول کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین لکھتے ہیں:

"قسطنطنیہ جسے استنبول کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دنیا کے چند بڑے شہروں میں اس کا شمار ہے۔ اسے مسجدوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ہر جگہ کچھ ہی فاصلے پر شاندار مسجدیں ہیں۔ مسجدوں کی اتنی تعداد کے بعد بھی کوئی مسجد نمازیوں سے خالی نہیں رہتی۔ ان مساجد کا طرز تعمیر بھی بالکل مختلف ہے۔ اس طرح کی مسجدیں ہم نے پہلی بار دیکھیں۔ ان تمام مساجد کا آرکی ٹیکٹ ایک جیسا ہے۔ ایک بڑا گنبد اور اس کے ارد گرد متعدد چھوٹے گنبد۔ یہ عثمانی دور کے مشہور آرکی ٹیکٹ "سنان" کی ایجاد ہے۔ اس طرز تعمیر کا مقصد یہ تھا کہ امام یا خطیب کی آواز گنبدوں سے ٹکراتی ہوئی دور تک چلی جائے۔ جب لاؤڈ اسپیکر ایجاد نہیں ہوا تھا۔ اس وقت مسلمان انجینئروں نے اس انداز سے اس کی تعمیر کی تھی کہ دور کے سامعین تک امام کی آواز پہنچ جائے۔ یہ ان کی تخلیقی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس شہر کو پہاڑوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہ شہر سات پہاڑوں کے حلقے میں واقع ہے۔ بحر اسود، بحیرہ مرمرہ اور آبنائے باسفورس یہ تین سمندر اس شہر کے حُسن میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ یہ دنیا کا واحد شہر ہے جس کا نصف حصہ یوروپ اور نصف ایشیا میں ہے۔ یہ شہر عظیم اسلامی تاریخ کا روشن باب بھی ہے۔ اس شہر کو قدرت نے حسن کی دلفریبیاں عطا کی ہیں۔ ظاہری حسن کے علاوہ یہ روحانی

فیوض و برکات سے بھی مالا مال ہے۔ میزبان رسول حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار مبارک بھی اسی شہر میں ہے۔ حرمین شریفین کے بعد ترکی میں یہ مقام سب سے اہم اور متبرک سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور خاندان اہل بیت کے مقدس تبرکات کے علاوہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصائے مبارک، حضرت یوسف علیہ السلام کی پگڑی اور قرآن کریم کے کئی نادر نسخے یہاں موجود ہیں۔ دنیا میں سب سے بڑے گنبد کی مسجد بھی یہیں موجود ہے۔ ترکی کو یہ اعجاز بھی حاصل ہے کہ دنیا بھر میں تصوف اور صوفیانہ روایات کے حوالے سے سب سے زیادہ پڑھے اور سمجھے جانے والے مولانا روم کا مزار مبارک بھی یہیں ہے۔ اس شہر کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ ''قسطنطنیہ ۳۳۰ء سے ۳۹۵ء تک رومی سلطنت اور ۳۹۵ء سے ۱۴۵۳ء تک بازنطینی سلطنت کا دارالحکومت رہا اور ۱۴۵۳ء میں فتح قسطنطنیہ (قسطنطنیہ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو سلطنت عثمانیہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ صدیوں تک مسلم حکمرانوں کی کوشش کے باوجود دنیا کے اس عظیم الشان شہر کی فتح عثمانی سلطان محمد ثانی کے حصے میں آئی جو فتح کے بعد سلطان محمد فاتح کہلائے) کے بعد سے ۱۹۳۲ء تک سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ رہا۔ فتح قسطنطنیہ کے بعد سلطان محمد فاتح نے اس شہر کا نام اسلام بول رکھا (جس کا مطلب ہے اسلام کا بول بالا) جو کہ آہستہ آہستہ استنبول میں تبدیل ہو گیا۔ شہر یورپ اور ایشیا کے سنگم پر شاخ زریں اور بحیرۂ مرمرہ کے کنارے واقع ہے اور قرون وسطی میں یورپ کا سب سے بڑا اور امیر ترین شہر تھا۔ اس زمانے میں قسطنطنیہ کو شہروں کی ملکہ کہا جاتا تھا۔'' (بحوالہ اردو ویکیپیڈیا) یہ شہر آج بھی ترقی یافتہ اور خوشحال ہے۔ فی کس مجموعی ملکی پیداور بارہ ہزار امریکی ڈالر ہے۔ 2010ء کے لیے استنبول کو یوروپ کا مشترکہ تہذیبی دارالحکومت منتخب کیا گیا ہے۔ یہ واحد مسلم ملک ہے جو ناٹو کا رکن بھی ہے اور یوروپی یونین میں شامل ہونے کی دعویداری بھی رکھتا ہے۔ یہ ملک اس لیے بھی مثالی ہے کہ اپنے تمام انتشار پر قابو پا کر ترقی کی جانب تیزی سے گامزن ہے۔'' (مشاہدات، 30-31)

استنبول کی پوری تاریخ اس اقتباس میں درج ہے۔ سفر نامہ نگار نے استنبول کو کئی نقطۂ نظر سے دیکھا

ہے۔ قسطنطنیہ، اسلام کا بول بالا، استنبول اور استنبول سے انقرہ تک کا سیاسی اور تہذیبی سفر کیا ہے جو کہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ حضرت ایوب انصاری، مولانا روم کے ساتھ اس میوزیم کا ذکر بھی اس سفر نامے کا روشن باب ہے جس میں اسلامی تاریخ کی کی یادگاریں موجود ہیں۔ عثمانی دور کے مشہور آرکی ٹیکٹ ''سنان'' کا ذکر بھی دل چسپی سے خالی نہیں ہے۔ استنبول کو مسجدوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ قدرت نے اس سرزمین کو بہت ثروت مند بنایا ہے۔ اس شہر کو پہاڑوں کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شہر سات پہاڑوں کے حلقے میں واقع ہے۔ بحر اسود، بحیرہ مرمرہ اور آبنائے باسفورس یہ تین سمندر اس شہر کے حُسن میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ یہ دنیا کا واحد شہر ہے جس کا نصف حصہ یوروپ اور نصف ایشیا میں ہے۔ یہ شہر عظیم اسلامی تاریخ کا روشن باب بھی ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے اس سفر نامہ میں استنبول، ترکی تمام خصوصیات کو بہت ہی دل چسپ انداز میں بیان کیا ہے جو ان کی خداد صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تاریخی اور تہذیبی اعتبار سے ترکی کی روداد بھی اس سفر نامے کا ایک اہم حصہ ہے۔ ترکی میں اردو زبان وادب کی تعلیم وتدریس پر بھی ایک اہم حصہ موجود ہے۔ ترکی کی تین اہم اور بڑی یونیورسٹیوں میں اردو زبان وادب کی تعلیم وتدریس کا اہتمام ہے۔ امید ہے کہ ترکی میں اردو تدریس کے اس سلسلے میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ اسی طرح دیگر سفر نامے مثلاً'' جاپان کا یادگار سفر، امریکہ نامہ، حافظ و سعدی کے ملک میں، یوروپ کے اسفار کی ناقابل فراموش یادیں، جنت نظیر جزیرۂ موریشس، مصر سرزمین انبیا، یوروپ ادبی قافلہ، ہرات شہر اولیا اور امام بخاری کے ملک میں چند روز'' اس سفر نامے کی اہمیت میں چار چاند لگاتے ہیں۔ مذکورہ تمام سفر نامے کی حیثیت علمی وادبی ہیں۔ غیر ممالک میں اردو ادب کی موجودہ صورت حال کے ساتھ سیاسی، سماجی، تہذیبی اور ثقافتی تناظر میں بھی 'مشاہدات' منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کے سفر نامے یقیناً اردو دنیا کے لیے ایک بیش بہا ادبی تحفہ ہے۔ اردو کی نئی بستیوں کی سمت و رفتار کے تعین میں بھی یہ

سفر نامے اہم رول ادا کر رہا ہے۔ امید ہے کہ برصغیر سے باہر اردو دنیا کی سرگرمیوں سے واقفیت کے لیے ارباب حل وعقد اس سفر نامے سے استفادہ کریں گے۔

***